سارے مادی ذرائع وسائل کو وقف کیے ہوئے تھی۔ یقیناً عہد فاروقی تک پہونچتے ہوئے اسلامی حکومت روئے زمین کی سب سے بڑی طاقت بن چکی تھی کیونکہ مشرق و مغرب کی دونوں عالم گیر قوتیں (رومن امپائر اور پرشین امپائر) اس کے سامنے سرنگوں ہو چکی تھیں اسلام اور اسلامی تعلیمات آج ہزار سال کے بعد صدیوں تک بالکلیہ اپنے اصلی خط وخال کے ساتھ تروتازہ حال میں جو نظر آرہے ہیں اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں اسلام کی ابتدائی تاریخ کے اس واقعہ کو بھی بہت زیادہ دخل ہے۔ اب خواہ اس واقعہ کو لوگ بخت واتفاق کا نتیجہ قرار دیں یا اسلام کو جس قدرت نے بنی آدم کے آخری دین ہونے کی حیثیت عطا کی ہے اسی کی طرف سے سمجھا جائے۔ کہ قصداً وارادۃً یہ انتظام کیا گیا تھا۔ قتادہ بے چارے چونکہ مسلمان تھے اسلام کو خدا کا دین مانتے تھے اس لیے نہ صرف دوسروں ہی کے متعلق بلکہ خود اپنے حافظہ کے متعلق صبح وشام ان کو مسلسل جو تجربات ہوتے رہتے تھے سب کو تائید غیبی کے ظہور کی ایک شکل یقین کرتے تھے خود ان ہی کے متعلق لکھا ہے کہ بصرہ جو ان کا وطن تھا وہاں کے علماء وقت سے استفادہ کے بعد مدینہ منورہ سعید بن المسیب تابعی قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہونچے معلومات سے دماغ ان کا پہلے ہی سے بھرا ہوا تھا مدینہ آنے کی غرض معلومات کا اضافہ اور معلوماتِ حاصلہ میں زیادہ جلا پیدا کرنا تھا سعید بن المسیب سے سوالات کا ایک لامتناہی سلسلہ انہوں نے چھیڑ دیا گمان خیال کرکے کچھ دن تو سعید کچھ نہ بولے جو پوچھتے جواب دیتے جاتے تھے مگر بات جب برداشت سے باہر ہو گئی تب ذرا غصہ کے لہجہ میں سعید نے کہا کہ "جو کچھ تم نے اب تک دریافت کیا ہے ان کو تم یاد کر چکے" مطلب یہ تھا کہ صرف تم پوچھتے ہی چلے جاتے ہو جو کچھ اب تک سن چکے ہو اسے یاد بھی کیا ہے یا نہیں اس پر قتادہ نے نہایت سادگی سے جواب دیا کہ جی ہاں جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا مجھے سب یاد ہے اسی کے ساتھ سنبھل کر بیٹھ گئے اور فقط وہی چیزیں نہیں جو سعید سے سنی تھیں بلکہ سعید کے سوا جس جس مسئلہ کے متعلق۔ ص

ص دوسروں سے سنا تھا سنا دیا۔ سعید کو سخت تعجب ہوا اور بولے "میں نہیں جانتا تھا کہ خدا نے ایسی شخصیت بھی پیدا کی ہے" (باقی آئندہ)

# شیخ ابوالقاسم جلال الدین تبریزی

(از جناب ڈاکٹر محمد سلیم صاحب ایم۔ اے ال ال بی۔ پی ایچ ڈی۔ شعبہ تاریخ و سیاسیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

آذربائیجان ایران کا ایک مشہور صوبہ ہے۔ تبریز اس کا قدیم پایۂ تخت ہے۔ یہ شہر اسلامی تمدن و تہذیب کا بڑا مرکز ہے بارہویں صدی عیسوی میں یہاں بہت سے بزرگ تھے ان میں سے ایک شیخ ابوسعید تھے۔ یہ اپنے رنگ میں نرالے تھے اپنے ہمعصروں میں اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے ممتاز تھے کہ فتوح نہیں لیتے تھے۔ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے خود فاقہ کرتے تھے اور جو لوگ ان کی خانقاہ میں رہتے تھے، وہ سب بھی انھیں کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ جب خانقاہ میں کچھ کھانے کو نہیں ہوتا تھا، تو سب پھل وغیرہ سے افطار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی خانقاہ میں تین دن کا فاقہ ہوا۔ یہ خبر شہر کے والی کو ملی۔ وہ ان کے اصول سے واقف تھا، لیکن ان کی اس تکلیف کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اپنے حاجب کو زر دے کر ان کے خادم کے پاس بھیجا اور تاکید کر دی کہ اس کی خبر ان کو نہ ہو۔ حاجب نے ایسا ہی کیا۔ خادم نے زر قبول کر لیا۔ کھانا پکنے لگا۔ لوگ کھانے لگے۔ اس کھانے کے اثر سے ان کی عبادت میں فرق آیا۔ خادم کو بلایا کھانے کے متعلق پوچھا۔ خادم چھپا نہ سکا، حقیقت کا اظہار کیا۔ وہ بہت خفا ہوئے جہاں تک حاجب ان کی خانقاہ میں آیا تھا، وہاں تک کی مٹی کھدوا کر پھنکوا دی اور جو رقم رہ گئی تھی وہ خادم کو دے کر اپنی خانقاہ سے نکال دیا[1]۔

جب ان کی بزرگی کی شہرت عام ہوئی۔ بہت سے مرید ان کے اردگرد جمع ہو گئے

---

[1] فوائد الفواد ـ ص ۳ ـ ر شعبان ۷۱۲ھ

ان میں نشتران کی تعلیم و تربیت سے زیادہ فیض یاب ہوئے ان لوگوں نے دنیا کو ترک کیا۔ سیر و سیاحت اپنا شعار بنایا۔ تہمد باندھتے عرقچی پہنتے، سر پہ کلاہ اوڑھتے، دنیا کی سیر کرتے بندگان خدا کی رشد و ہدایت کرتے[1] ان میں سے جنہوں نے شہرت پائی، شیخ ابو سعید کا نام زندہ رکھا اور دیار ہند میں آئے، وہ شیخ ابوالقاسم جلال الدین تبریزی تھے۔

شیخ جلال الدین تبریزی کا طریقہ ان کے ہمعصروں سے جُدا تھا۔ نہ اُنہوں نے شیخ معین الدین چشتی اور شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی طرح اپنا کوئی مستقل مستقر بنایا اور نہ ان لوگوں کی طرح ایک جگہ بیٹھ کر لوگوں کی ہدایت کی۔ جب تک ان میں طاقت رہی چل پھر کر لوگوں کو اللہ کے راستہ پر لگایا ہندو مسلم دونوں کو اللہ کا پیغام سنایا اور تبریز سے بنگال تک دین حق کو پھیلایا۔

ان باتوں کے باوجود ان کا پورا حال کسی نے نہیں لکھا ان کے خاندان اور سلسلہ کا ذکر نہیں کیا۔ پردۂ خفا میں رکھا۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ انھوں نے تعلیم بخارا میں پائی اور زمانۂ طالب علمی میں ان کے سات سال نہایت غربت و تنگی میں گزرے۔ اس مدت میں ان کے پاس بجز ایک جانماز کے کوئی اور کپڑا نہ تھا[2]۔ اور اپنے پیر کی وفات پر تبریز سے بغداد آئے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، بانی خاندان سہروردیہ اور مصنف عوارف المعارف کی خدمت میں پہنچے۔ جس وقت یہ بغداد آئے تھے، اُس وقت شیخ شہاب الدین سہروردی بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ ضعیفی کی وجہ سے خشک سرد کھانا نہیں کھا سکتے تھے، لیکن اس بڑھاپے کے باوجود حج کو جایا کرتے تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزی سر پر دیگدان رکھتے جس میں آگ اور دیگ اُن کے ساتھ ہوتے۔ جب شیخ شہاب الدین سہروردی کے کھانے کا وقت ہوتا، گرم گرم کھانا اُن کے سامنے رکھتے[3] شیخ جلال الدین تبریزی میں جو کمی تھی اُس خدمت سے پوری ہو گئی۔ خادم سے مخدوم ہو گئے۔

---

[1] خیر المجالس ۶۲ (مجلس) [2] سیر الاولیاء۔ ص ۶۳ [3] فوائد الفوائد۔ ۲۳ رشعبان ۷۱۲ھ

اسی زمانہ میں شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی اپنے واپسی سفر میں بیت المقدس سے بغداد آئے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید ہوئے "چوب خشک" تھے، آن کی آن میں ان میں آگ لگ گئی۔ سترہویں دن خلافت سے سرفراز ہوئے۔ خرقہ اور خلافت نامہ لے کر گھر کی طرف چلے۔ شیخ جلال الدین تبریزی اُن کی جدائی کی تاب نہ لا سکے، شیخ شہاب الدین سہروردی کی اجازت سے ان کے ساتھ ہوئے۔ دونوں نیشاپور تک ساتھ آئے۔ یہاں کے بزرگ شیخ فریدالدین عطار سے شیخ جلال الدین تبریزی ملنے گئے۔ جب مل کر واپس آئے تو شیخ بہاء الدین ذکریا سے اُن کی یہ گفتگو ہوئی۔

شیخ بہاء الدین ذکریا۔ شہر میں کس بزرگ سے ملے۔

شیخ جلال الدین تبریزی۔ شیخ فریدالدین عطار سے۔

شیخ بہاء الدین ذکریا۔ کیا باتیں ہوئیں۔

شیخ جلال الدین تبریزی۔ مجھکو دیکھ کر شیخ فریدالدین عطار نے کہا کہ درویش کہاں سے آئے ہیں میں نے جواب دیا، بغداد سے۔ اس پر اُنھوں نے دریافت کیا کہ آج کل وہاں اللہ والے کون ہیں۔ میں خاموش رہا۔

شیخ بہاء الدین ذکریا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کا نام کیوں نہیں لیا؟

شیخ جلال الدین تبریزی۔ شیخ فریدالدین عطار کی مشغولیت کی عظمت مجھپر اتنی غالب آئی کہ میں دم بخود ہو گیا۔

اس سے شیخ بہاء الدین ذکریا کو غبار خاطر ہوا اور یہاں سے دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ شیخ بہاء الدین ذکریا ملتان چلے آئے اور شیخ جلال الدین تبریزی خراسان ہوتے ہوئے بغداد لوٹ آئے۔ اسی زمانے میں اوش کے ایک بزرگ شیخ قطب الدین بختیار کاکی اپنے پیر شیخ معین الدین چشتی کی ملاقات کے لئے بغداد آئے جب انھوں نے اپنے پیر کو یہاں نہیں پایا تو یہ بھی دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ شیخ جلال الدین

تبریزی بھی ان کے ساتھ چلے ۔ دونوں ملتان تک ساتھ آئے اور شیخ بہاء الدین ذکریا کے گھر مہمان رہے۔ شیخ قطب الدین بختیار کاکی دہلی چلے آئے اور شیخ جلال الدین تبریزی ملتان ہی میں رہے[1] ۔ تقریباً ایک سال بعد یہ بھی دہلی کی طرف روانہ ہوئے ۔ راستہ میں کھتوال[2] پڑتا تھا ۔ یہاں شیخ فرید الدین گنج شکر سے ملے ان کو فیضیاب کیا اور دہلی کی طرف بڑھے[3] ۔

دہلی ایک بڑی سلطنت کی راجدھانی تھی ۔ دین پرست ۔ علم پرست ۔ صوفی منش ، شب زندہ دار ، اور عادل بادشاہ سلطان التمش کا پایۂ تخت تھی ۔ حکومت شخصی تھی ، لیکن انصاف پسند تھی ، متمدن تھی ، مہذب تھی ، صوبوں میں بغاوت کی آگ بھڑک گئی تھی لیکن اس کی آنچ دہلی تک نہیں پہنچی تھی ۔ لوگ سکون اور اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے ۔ ہندو مسلم ساتھ رہتے تھے ۔ ان دونوں میں اتحاد تھا ، اتفاق تھا ۔ دہلی میں نہ جدال تھا ، نہ قتال تھا ، نہ جمنا کا پانی لال تھا ۔ علمائے مشائخ اور عوام بھاگ کر باہر سے آتے تھے ۔ اصلی باشندوں سے مل جل کر شیر و شکر ہو جاتے تھے ۔ باہر والوں نے دہلی کو دہلی بنایا تھا ، علوم و فنون کا مرکز بنایا تھا ۔

جب صوفی منش بادشاہ کو ان کے آنے کی خبر ملی ۔ خوشی سے ان (بادشاہ) کی باچھیں کھل گئیں۔ گھوڑا منگوایا ، سوار ہوئے اور اُن کے استقبال کو چلے ۔ بادشاہ کے پیچھے مشائخ ، علماء اور عوام کا بھی ہجوم تھا شہر کے باہر پہنچے ۔ ان کو آتے دیکھا ، گھوڑے سے اُتر گئے ، پیدل ان تک پہنچے ۔ سلام کیا ۔ کلام کیا ۔ شیخ جلال الدین تبریزی شہر کی طرف چلے ۔ سلطان بھی چلے ، ہجوم بھی چلا ۔ سب شہر کے قریب پہنچے ۔ سلطان نے شیخ الاسلام نجم الدین صغرا سے شیخ جلال الدین تبریزی کے قیام گاہ کے لئے کہا اور کہا کہ عمارت قصر شاہی کے قریب ہو تا کہ آنے جانے ، ملنے جلنے میں آسانی ہو ۔ شیخ الاسلام حاسد تھے ۔ ان میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی ۔ قصرِ شاہی کے نزدیک ایک عالیشان عمارت تھی ۔ ایک عرصہ سے خالی تھی ، اس میں انسان کے

---

[1] سیر العارفین (قلمی نسخہ) ص ۱۱۱ و ۳۸ ـ ۳۹ ـ [2] اب یہ مقام مشائخ کی چاولی کہلاتا ہے ۔ اور ملتان کے نزدیک ہے ۔ [3] سیر الاولیاء ص ۲۳

کے بدلے جن رہتے تھے ۔ بیت الجن کے نام سے مشہور تھی ۔ شیخ الاسلام نے شیخ جلال الدّین تبریزی کے لئے اس عمارت کو منتخب کیا ۔ سلطان نے اس کو ناپسند کیا ۔ اس پر شیخ الاسلام نے کہا "کہ اگر یہ بزرگ ہیں تو مکان جن سے خالی ہوجائے گا ۔ اور اگر ناقص ہیں تو اپنی سزا کو پائیں گے ۔" شیخ جلال الدّین تبریزی نے اس جملہ کو سُن لیا ۔ کنجی منگواکر ایک دُرویش کو دی اور اپنا حمائل شریف بھی دیا ۔ دُرویش مکان کے دروازے پر گیا اور یہ آواز دی "شیخ جلال الدّین تبریزی آرہے ہیں ۔" جن اپنے پاؤں پٹختے ہوئے شور و غُل مچاتے ہوئے ، مکان سے نکل گئے ۔ عمارت صاف ہوئی ۔ شیخ جلال الدّین تبریزی آئے اور اس میں رہنے لگے ۔[۱]

ان سے تقریباً ایک سال پہلے شیخ قطب الدّین بختیار کاکی ، شیخ معین الدّین چشتی کے خلیفۂ اول بھی دہلی آئے تھے ۔ سلطان التمش نے ان کا بھی خیر مقدم بہت جوش و خروش سے کیا تھا ، شہر میں قصرِ شاہی کے قریب رہنے کے لئے کہا تھا ۔ شیخ قطب الدین بختیار کاکی شاہی دربار کی فضا سے آگاہ تھے ، درباری علماء کی سیرت و عادت سے واقف تھے ، سلطان کے کہنے کو نہ مانا تھا اور شہر کے قریب قیام کیا تھا ۔ اس طرح سے اپنے کو شاہی دربار سے دور رکھا تھا ۔ ایک دن شیخ جلال الدّین تبریزی ان سے ملنے اپنے گھر سے نکلے ۔ حُسنِ اتفاق اُسی وقت شیخ قطب الدین بختیار کاکی بھی ان کی ملاقات کے لئے شہر کی طرف چلے ۔ دونوں کی ملاقات ایک تنگ و تاریک گلی میں ہوئی ۔ دونوں ایک دُوسرے سے بغل گیر ہوتے ۔ شیخ قطب الدّین بختیار کاکی ان کو اپنے گھر لے گئے ۔ ایک دن اور ایک رات شیخ جلال الدّین تبریزی ان کے گھر مہمان رہے ۔ دوسرے دن جمعہ تھا ، دونوں نے ایک ہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی ۔ بعد نماز دونوں اپنے اپنے گھر آئے ۔[۲]

شیخ جلال الدّین تبریزی کی بزرگی کا معیار جو شیخ الاسلام نجم الدّین صغرا نے متعین کیا تھا ، اس پر

---

[۱] سیر العارفین ص ۱۰۷ ۔ ۱۰۸ [۲] ایضاً ص ۱۰۸ ۔ ۱۰۹

یہ پورے اُترے۔ بیت الجن جنوں سے خالی ہوگیا۔ لیکن اس پر بھی شیخ الاسلام اپنی حاسدانہ حرکت سے باز نہ آئے اور اُن کے ہر فعل پر نکتہ چینی کرنے لگے۔

شیخ جلال الدین تبریزی شب بیدار تھے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر یادِ خدا میں بیٹھتے، رات بھر عبادت کرتے، عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے اور سو جاتے، چاشت تک سوتے۔ ایک دن ایسے ہی، چادر اوڑھے، اپنے گھر کے آنگن میں سوئے ہوئے تھے اور ان کا غلام ان کا پاؤں داب رہا تھا۔ شیخ الاسلام سلطان کو صبح کی نماز پڑھانے قصرِ شاہی کے بالاخانہ پر آتے۔ نماز سے فارغ ہو کر سلطان کسی کام میں مشغول ہوگئے۔ شیخ الاسلام اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ اتفاق سے ان کی نظر شیخ جلال الدین تبریزی پر پڑی۔ سلطان کو بلا کر لائے، ان کی طرف اشارہ کیا اور سلطان کو ان سے بدظن کرنے کے لئے، کہا "نماز کا وقت ہے یا سونے کا؟" غالباً سلطان ان کی عادت سے واقف تھے، کہا "ممکن ہے نماز پڑھ کر سوتے ہوں"۔ اس کا جواب شیخ الاسلام نہیں دے سکے۔ کاش! بات یہیں تک ہوتی تو برا نہ تھا۔ شیخ الاسلام حسد میں اخلاقیات کو بھول گئے اور کہا "یہ حسین غلام ان کا پاؤں کیوں داب رہا ہے؟" سلطان نے جواب دیا کہ "اس میں شک وشبہ کی کیا بات ہے۔ اور ایک بزرگ کو اس میں کیا خطرہ ہے؟"[ع۱] شیخ الاسلام اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور شرمندہ اپنے گھر آئے۔ ان کو ذلیل کرنے کی تدبیر سوچنے لگے۔ سوچتے سوچتے سازش پر اُتر آئے

اس وقت دہلی میں ایک مطربہ تھی۔ گوہر کے نام سے مشہور تھی۔ حسن میں یکتا تھی۔ جمال میں لاثانی تھی۔ عیاش امرا، اوباش رؤسا اس پر مرتے تھے، لیکن کسی کے ہاتھ نہیں چڑھتی تھی۔ چھوٹے بڑے سب کے گھر جاتی تھی۔ شیخ الاسلام کے گھر بھی جاتی تھی۔ کبھی کبھی شیخ جلال الدین تبریزی کے یہاں بھی حاضر ہوتی تھی۔ شیخ الاسلام نے اس کو اپنی سازش کا آلہ بنایا۔ شیخ جلال الدین تبریزی پر الزام لانے کے لئے آمادہ کیا۔ پانچسو دینار سُرخ پر معاملہ ہوا۔ مطربہ چالاک تھی۔ آدھی رقم اُسی وقت رکھوالی۔ بقیہ احمد بقال کے ذمہ

---

ع۱ ایضاً ص ۱۰۹

بطور امانت کے رکھوادی۔ بات پختہ ہوگئی۔ مطربہ خوش خوش گھر گئی۔ شیخ الاسلام نے بہتان کو شہرت دی۔ گھر گھر اس کا چرچہ ہونے لگا۔ ہر شخص کی زبان پر آنے لگا۔ ایک دن شیخ الاسلام کو موقعہ ملا مطربہ کو سلطان کے سامنے حاضر کیا۔ جو کچھ انھوں نے سکھلایا تھا، بلا جھجک اور بے خوف مطربہ نے بیان کیا۔ کہنے کو تو کہہ گئی۔ لیکن کوئی شہادت پیش نہ کر سکی پر سلطان نے شیخ جلال الدّین تبریزی کو اس بہتان سے بری قرار دیا۔ شیخ الاسلام نے شرعی نکتہ نکالا۔ اس پر سلطان نے ان کو مدعی ٹھہرایا۔ اور مقدمہ کی چھان بین اور فیصلہ کے لئے مشائخ ہند کا محضر قائم کرنے کا حکم دیا۔ فرامین جاری کئے گئے۔ ایک بڑی تعداد میں مشائخ دہلی آئے۔ شیخ بہاء الدّین ذکریا بھی آئے۔ جمعہ کے دن سب جامع مسجد میں جمع ہوئے۔ سلطان نے حکم منتخب کرنے کا حق شیخ الاسلام کو دیا۔ انھوں نے شیخ بہاء الدّین ذکریا کو حکم چنلیا۔ بعد نماز جمعہ سب پھر اسی مسجد میں جمع ہوئے۔ اس وقت اکابر و اشراف بھی آئے۔ سب حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ مطربہ آئی۔ شیخ جلال الدین تبریزی کو بلانے ایک آدمی بھیجا گیا۔ جونہی شیخ جلال الدّین تبریزی مسجد کے دروازہ پر آئے۔ سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ شیخ بہاء الدّین ذکریا ان کے پاس گئے۔ ان کے جوتوں کو صاف کیا اور بغل میں دباتے ہوئے، اپنی جگہ پر آ بیٹھے۔ اس سے سلطان بہت متاثر ہوئے۔ مقدمہ ختم کرنے کو کہا لیکن حکم نے اس تجویز کو رد کیا۔ شیخ جلال الدّین کی جو تعظیم کی تھی، اس کی وجہ بیان کی۔ اُن کی پاکیزگی اور معصومیت پر اظہار خیال کیا۔ یہ سب شیخ الاسلام سنتے رہے اور کچھ نہ بولے۔ اس سے حکم کو خیال ہوا کہ اگر مقدمہ بغیر چھان بین کے ختم کیا گیا تو شیخ الاسلام کو خیال ہوگا کہ شیخ جلال الدّین تبریزی کی تعظیم و تکریم کر کے ان کے عیب کو چھپایا گیا ہے، لہذا انھوں نے مقدمہ کی تفتیش کا حکم دیا۔ مطربہ محضر کے سامنے آئی۔ سچ بولنے کو اس سے کہا گیا۔ گو گو ہر پیشہ کے اعتبار سے مطربہ تھی لیکن خوفِ خدا شیخ الاسلام سے زیادہ رکھتی تھی۔ کانپ گئی، لرز گئی۔ سچ بولی۔ شیخ جلال الدّین تبریزی کو معصوم بتلایا۔ اپنی کمزوری کا اقرار کیا۔ شیخ الاسلام کی سازش کو فاش کیا۔ احمد بقال بھی بلایا گیا۔ اس نے

بھی وہی کہا جو مطربہ نے کہا تھا اور جو رقم اس کے ذمہ تھی ، پیش کی ۔ شیخ الاسلام پر گھڑوں پانی پڑ گیا ۔ شرم سے ڈوب گئے ۔ آنکھیں نیچی کر لیں اور جو حسد کا نتیجہ ہوتا ہے ، وہ ہوا ۔ شیخ الاسلامی سے برطرف کر دئے گئے ۔[1] لیکن شیخ جلال الدین تبریزی بھی اس کے بعد دہلی میں نہ رہے ۔ اور وہاں سے پہلے بدایوں اور پھر لکھنوتی کا رُخ کیا ۔ دہلی چھوڑتے وقت انھوں نے کہا "چوں من دریں شہر آمدم ، زر صرف بودم ۔ ایں ساعت نقرہ ام تا بیشتر چہ خواہد شد"[2] لیکن ان کا انجام نہایت شاندار ہوا ۔ بدایوں اور بنگال کے ہزاروں آدمی ان سے فیض یاب ہوئے اور سیدھی راہ پر آ گئے ۔

اسلامی تمدن کے مرکز کے لحاظ سے بدایوں دہلی سے پرانا تھا ۔ یہ شہر قبلۃ الاسلام تھا ۔ علمار کا مسکن تھا ، مشائخ کا مخزن تھا ، قرآن ، حدیث اور فقہ کی تعلیم عام تھی ۔ غریب امیر سب پڑھتے تھے ۔ یہاں تصوف کا بھی چرچہ تھا ۔ کبیدہ خاطر ، افسردہ دل اور مغموم شیخ جلال الدین تبریزی یہاں پہنچے ۔ ان کی آمد سے شہر میں ہل چل مچ گئی ۔ گھر گھر اسلام و تصوف کی لہر دوڑ گئی ۔ انھوں نے شہر کا جائزہ لیا ۔ اپنا کام شروع کیا اور یہیں سے ان کے کارناموں کا آغاز ہوا ۔

دہلی کے واقعہ نے ان کو اب ہوشیار اور محتاط کر دیا تھا ۔ لہٰذا یہاں سب سے پہلے حاکم شہر قاضی کمال الدین جعفری سے ملنے گئے ۔ قاضی نماز میں مشغول تھے ۔ "وہ کیا قاضی نماز ادا کرنا جانتے ہیں ؟" کہہ کر واپس آئے ۔ دوسرے دن قاضی ان کے یہاں آئے ۔ جو جملہ شیخ کہہ کر آئے تھے ، اُسے دُہرایا ، اپنی نماز کی دُرستگی کی دلیں میں اتنا بونکاڈ کیا جو اُنھوں نے نماز اور اس کے احکام پر لکھی تھیں اور شیخ سے سوال کیا "کیا فقرار سجدہ اور رکوع کسی اور طرح کرتے ہیں یا کوئی دوسرا قرآن پڑھتے ہیں" شیخ نے ان الفاظ میں علمار اور فقرار کی نماز میں فرق بیان کیا :۔

"علمار کی نماز ایسی ہے ۔ وہ کعبہ پر نظر رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں ۔ جب ان کو کعبہ

---

[1] ۔ فوائد الفوائد ۔ ۱۲ ذالحجہ ۷۱۳ھ ۔ [2] ایضاً

نہیں دکھائی دیتا ہے تو اس کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ اور جب کوئی ایسی جگہ ہوتے ہیں جہاں اس کا رخ بھی نہیں دکھلائی دیتا تو قیاس کرتے ہیں۔ علماء کا قبلہ ان تین صورتوں کے سوا اور دوسرا نہیں ہے۔ لیکن فقرا جب تک عرش نہیں دیکھ لیتے ہیں، نماز ادا نہیں کرتے ہیں"

یہ باتیں قاضی کو بُری معلوم ہوئیں لیکن کچھ نہ بولے اور چپ چاپ اپنے گھر آئے۔ رات آئی اور سو گئے۔ خواب میں شیخ جلال الدین تبریزی کو عرش پر مصلی بچھائے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ لیکن اس کا کوئی اثر ان پر نہیں پڑا اور یہ اپنے خیال پر قائم رہے۔ صبح سویرے اُٹھے، وضو کیا، نماز پڑھی، قرآن مجید کی تلاوت کی۔ اتنے میں سورج نکل آیا۔ ناشتہ کیا، کپڑے پہنے، اپنے بیٹے برہان الدین کو ساتھ لیا اور ایک مجلس میں گئے۔ اتفاق کی بات اس مجلس میں شیخ بھی آئے۔ گفتگو شروع ہوئی، بات چیت ہونے لگی۔ شیخ نے کہا "اے فلاں! علماء کا کام اور رتبہ ظاہر ہے۔ ان کے پڑھنے کی نیت وغایت یہ ہوتی ہے کہ مدرس ہو جائیں یا قاضی یا صدر جہاں۔ ان کا مرتبہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا ہے۔ لیکن فقراء کے مرتبے بہت ہیں۔ پہلا مرتبہ وہ تھا جو رات قاضی کو دکھلایا گیا"۔ شیخ کا یہ کہنا تھا کہ قاضی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ معافی کی درخواست کی۔ اپنے لڑکے کو شیخ کے قدموں میں ڈال دیا۔ اس کو شیخ کا مرید بنایا۔ اپنے لئے بطور تبرک ایک کلاہ لی اور اپنے گھر آئے[1]

حاکم شہر کا معتقد ہونا تھا کہ شہر میں شیخ کی بزرگی کی دھوم مچ گئی۔ جوق در جوق لوگ ان کی خدمت میں آئے۔ کچھ معتقد ہوئے، کچھ مرید بنے۔ ایک دن شیخ ان لوگوں کے ساتھ سونھ ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ یکایک اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کو اٹھتے دیکھ کر لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ یہ سب اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ شیخ وضو کرنے پانی کے نزدیک گئے۔ وضو کر کے آئے۔ لوگوں سے کہا کہ ابھی ابھی شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغرا دنیا سے کوچ کر گئے۔ یہ سنکر لوگوں نے بھی وضو کیا۔ شیخ نجم الدین

---

[1] فوائد الفواد۔ ۱۷ رجب ۷۲۲ھ خیر المجالس ص ۱۱۸

صغرا کے جنازے کی غائبانہ نماز ادا کی گئی اور شیخ نے ان کی مغفرت کی دعا کی[1]

اور مشائخ کی طرح شیخ جلال الدّین تبریزی بھی مردم شناس اور سیرت ساز تھے۔ مولانا علاؤالدین اُصولی جو اپنے وقت کے بڑے متقی اور پرہیزگار تھے، بدایوں کے علماء میں ایک مشہور عالم تھے، اور بحیثیت ایک اُستاد کے ممتاز تھے۔ اپنے بچپن میں بدایوں کی گلیوں میں آوارہ گرد پھرا کرتے تھے۔ ایک دن ان کا گذر شیخ کی قیام گاہ کی طرف ہوا۔ شیخ نے ان کو اپنے پاس بلایا، اپنا پیراہن اُتار کر ان کو پہنایا۔ پیراہن کا پہننا تھا کہ ان کی حالت بدل گئی، ان کے قلب کی ماہیت اور ہوگئی کھیل کود سب بھول گئے۔ کتاب لے کر مکتب میں گئے۔ محنت سے علم حاصل کیا۔ عالم ہوئے۔ علم سے خود مستفیذ ہوئے۔ اور اوروں کو بھی اس سے فائدہ پہنچایا۔ شیخ نظام الدّین اولیاء اور دوسروں کو حدیث اور فقہ کا درس دیا[2]۔

ابھی تک جو کچھ شیخ جلال الدّین تبریزی نے کیا تھا وہ اور مشائخ کی زندگی کا بھی مقصد تھا۔ لیکن جو چیز اپنے ہمعصروں سے ان کو ممتاز کرتی ہے وہ ان کا غیر مسلموں کو دولتِ ایمان سے مالا مال کرنا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس وقت بدایوں شہر کے قریب ایک مواسی (حصار بند گاؤں) تھا جو کٹھیر کہلاتا تھا۔ اس گاؤں کے باشندے زیادہ تر ڈاکو تھے۔ ان میں سے کچھ رہزنی کو چھپانے کے لئے دودھ دہی بیچنے کا پیشہ کرتے تھے۔ ایک دن ان میں سے ایک سر پر دہی کی ہانڈی لئے ہوئے شہر پہنچا۔ پھرتا پھرتا شیخ جلال الدّین تبریزی کی منزل کی طرف آیا۔ شیخ کو دیکھا اور کھڑا ہوگیا، گھور کر دیکھا اور چلّا اٹھا "کیا دین محمّدی میں ایسے لوگ بھی ہیں؟" یہ کہہ کر دہی کی ہانڈی زمین پر رکھدی۔ اور ان کے قدموں پر گر پڑا۔ انھوں نے آواز دی۔ ان کے مرید پیالے اور چمچے لے کر آئے۔ سب نے مل کر دہی کھایا۔ کچھ شیخ نے بھی نوش فرمایا۔ اس کے بعد انھوں نے اس سے کہا "اب جاؤ۔" بولا کہاں جاؤں؟ کلمہ پڑھائیے۔ مسلمان بنائیے۔" انھوں نے اس کو کلمہ

---

[1] فوائد الفواد ۱۰ رمضان المبارک ۷۱۵ھ ۔ [2] ایضاً ۱۹ رمضان ۷۱۷ھ ۔

پڑھایا، دینِ حق میں داخل کیا، اپنا مرید بنایا اور اس کا نام علی رکھا[1]

کلمہ پڑھتے ہی ہندو ڈاکو کا قلب ساری آلودگیوں سے پاک ہوگیا۔ اس کا قلب، قلبِ مومن ہوگیا۔ اس نے رہزنی سے توبہ کی اور پاک صاف ہوگیا۔ علی کے نام نے اپنا اثر دکھلایا۔ جو زر و نقد لوٹ کھسوٹ اور چوری سے جمع کیا تھا، اُس کو راہِ خدا میں خرچ کر دینے کا فیصلہ کیا۔ اپنے پیر سے رضامندی لے کر گھر گیا۔ مومن ہونے کا ذکر اپنی بیوی سے کیا۔ بیوی کو اپنے ساتھ نہ رہنے میں نارضامند پایا۔ مومنہ ہونے کے لئے کہا۔ وہ بہت خفا ہوئی، بگڑی، بہت کچھ برا بھلا کہا اور ایمان لانے سے انکار کیا۔ علی کچھ نہ بولے چپ چاپ اُٹھے اور اُٹھ کر سارا زر و نقد جمع کیا۔ اس کا ایک حصہ اپنی بیوی کو دیا اور یہ کہہ کر "تم میری ماں اور بہن کے مانند ہو"۔ اس سے اپنا رشتہ قطع کیا[2] ایک لاکھ جیتل لے کر اپنے پیر کی خدمت میں آئے۔ شیخ نے یہ رقم انھیں کو رکھنے کے لئے کہا، چند دنوں میں انھوں نے اپنے پیر کی ہدایت کے مطابق سارا سرمایہ خدا کی راہ میں تقسیم کر دیا[3]

گو شیخ جلال الدین کی مقبولیت عوام میں دن بدن بڑھتی جاتی تھی اور لوگ ان سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ وہ بڑی آسانی سے بدایوں کو اپنا مستقل مستقر بنا سکتے تھے لیکن ہندوستان آنے سے پہلے اپنا اصول مرتب کر چکے تھے۔ سیر و سیاحت اپنا شعار بنا چکے تھے، لہٰذا اس اصول کے مطابق لکھنوتی کی طرف چلے اور بیرونِ ہند سے آنے والوں میں آپ پہلے بزرگ تھے جو اس کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن جانے سے پہلے بدایوں میں اپنا ایک خلیفہ چھوڑ گئے۔ خلافت کا منصب کسی مشہور و معروف عالم کو نہیں دیا۔ بلکہ نومسلم، تائب اُمّی علی کو عطا فرمایا۔

آپ کے مرید اور معتقد جانتے تھے کہ آپ پھر لوٹ کر بدایوں نہیں آئیں گے، لہٰذا آپ کی روانگی کو دن بہت سے آپ کے ساتھ چلے۔ تھوڑی مسافت کے بعد آپ کے حکم سے سب لوٹ آئے۔ لیکن

---

[1] ایضاً۔ ۲۸ر صفر ۷۱۵ھ و خیر المجالس ص ۵۷۔ [2] خیر المجالس ص ۵۶۔ [3] فوائد الفوائد۔ ۲۸ر صفر ۷۱۵ھ ذخیر المجالس ص ۵۷